سلسلۂ نوادرِ ادب
شمارۂ اوّل

داستانِ غدر

یعنی

هنگامۂ ۱۸۵۷ء کے چشم دید حالات

مصنّفہ

راقم الدّولہ سیّد ظہیر الدّین ظہیر دہلوی
شاگردِ ذوقِ دہلوی و داروغۂ ماہی مراتب شاہ ظفر

شائع کردہ

اکادمی پنجاب، ادبی دُنیا منزل۔ لاہور

قیمت تین روپے چار آنے — اراکین اکادمی سے دو روپے آٹھ آنے

عام اور تاجرانہ فروخت کے لئے سول ایجنٹس

میسرز پبلشرز یونائٹڈ لمیٹڈ۔ انارکلی۔ لاہور

سلسلۂ مطبوعاتِ اکادمی شمارہ (۶)

اکادمی ایڈیشن، طبع اوّل

جون ۱۹۵۵ء

شکریہ

اس کتاب کے مصارفِ طباعت و اشاعت کا ایک حصّہ وزارتِ تعلیم حکومتِ عالیہ مرکزیہ پاکستان نے بطورِ اعانت عطا فرمایا ہے۔ جس کے لئے اکادمی سراپا سپاس ہے۔

معتمد اعزازی

(ورکو لیسینٹ پرنٹنگ پریس لاہور طبع شد)

تیسرا باب

ہنگامۂ غدر کا آغاز

ماہ رمضان کی پہلی

انقلابِ دہر نے دکھلائیں وہ نیرنگیاں
جب زباں پر لائیے اپنا نیا افسانہ ہے

اُف اُف کس قیامت کی گرمی ہے کہ جگر کباب ہوا جاتا ہے الحفیظ، الامان دُھوپ کی تیزی العظمۃ للہ آسمان سے آگ برستی ہے گویا آفتاب سوا نیزہ پر اُتر آیا ہے۔ پیاس کے مارے زبان نکل نکل پڑتی ہے حلق میں کانٹے پڑے جاتے ہیں زمین کا طبقہ کرۂ نار ہو رہا ہے وَقِنَا رَبَّنَا عَذَابَ النَّار منہ سے بات تک نہیں نکلتی۔ نو بجے سے ٹٹیاں چھڑکی جاتی ہیں پنکھا کھنچتا ہے مگر پسینوں میں شرابور ہوئے جاتے ہیں۔ دن کیا ہوتا ہے۔ حشر کا دن ہوتا ہے۔ پہاڑ کی طرح کاٹنا پڑتا ہے۔ ہونٹوں پر جان آ جاتی ہے رات کی گُھمس اَللّٰھم احفظنا مِن کُلِّ بلاء الدُّنیا۔ چھڑکاؤ ہوتے ہیں۔ پنکھے جھلے جاتے ہیں پلنگ تر کیے جاتے ہیں۔ تاہم کسی طرح نیند نہیں آتی۔ کروٹیں لیتے لیتے صبح ہو جاتی

کمر کمر پانی میں غوطے لگا رہی ہیں۔ اکثر شوخ کم سن الھڑ پنے کے دن آپس میں جھنجم جھنبٹا ہو رہی ہیں۔

کچھ نرالا ہے جوانی کا بناؤ　　شوخیاں زیور ہیں اس سِن کیلئے

کوئی پری پیکر مہ جمال جمنا کا اشنان کر کے کھڑے کھڑے بالوں کو مروڑی دے کر نچوڑ رہی ہے۔ کوئی خشک ساڑھی باندھ کر گیلی ساڑھی کو مروڑی دے رہی ہے۔

فشرد پنجۂ مرجاں زابرِ مروارید　　قمر ز جیب شبِ اشکبار پیدا شد

گھاٹ میں ایک مصری مہاراج موٹے تازے چوڑے چکلے ننگ دھڑنگ ٹانگوں میں لنگوٹی سر پہ چوٹی جٹا لٹکائے توند پھیلائے آلتی پالتی مارے ہوئے براج رہے ہیں ایک پتھر کے چھوٹے سے چکلے پر ایک ہاتھ سے صندل گھستے جاتے ہیں۔ ایک جانب مہادیو کی بٹیا دھری ہے۔ مقابل میں اس کے گورا پاربتی کی مورت رکھی ہے۔ اور سنگ مرمر کا ایک ناویا بیل بیٹھا ہوا ہے۔ ایک کمل کے آسن پر کچھ پوجا پتری کا سامان سنکھ وغیرہ دھرا ہوا ہے۔ مہادیو پر کچھ دودھ کچھ پانی لنڈھا ہوا ہے۔ کچھ پھولوں کی پنکھڑیاں بکھری ہوئی ہیں۔ ایک جانب کوڑی پیسوں کا ڈھیر ہوتا جاتا ہے۔ اور ایک جانب اناج کا انبار ہے۔ نازنینانِ پری پیکر جو نہا دھو کر دوبارہ مڑنے نکلتی ہیں تو لباس پہن پہن کر پہلے آ کر مہادیو کے درشن کرتی ہیں اور مصر جی مہاراج کو پالاگن کہتے ہیں۔

مصر جی مہاراج ایک ہاتھ کی انگوٹھی سے پیشانی پر صندل کا ٹیک لگا دیتے اور ایک پنکھڑی تلسی کی منہ میں دے دیتے اور وہ روانہ ہوتی جاتی ہیں۔

میرٹھ میں غدر کی ابتدا۔

صبح ہوئی۔ گجر بجا۔ مرغِ سحر کا غل ہوا
کرنے لگے چمن چمن مرغ چمن نواگری

ہاتھ جوڑ کر آگے بڑھا۔ اشارہ سبابہ سے دریا کے پُل کی جانب ایما ہوا۔ اب جو دریا کے پُل کی جانب نگاہ کی تو دیکھا کہ دریا پار جو میر بحری کا بنگلہ ہے اُس میں آگ لگ رہی ہے اور شعلے اُڑ اُڑ کر آسمان کو جاتے ہیں۔ دریا کا کنارہ گرد و غبار اور دودِ آتش سے ہوا دار و تیرہ و تار ہو رہا ہے۔ میر فتح علی نے رسالدار کو حکم دیا کہ سوار بھیجکر خبر منگاؤ کہ یہ روشنی کیسی ہے۔ رسالہ سے نکل کر دو سواروں نے جو گھوڑوں کی باگیں لیں تو گرد باد ہو کے گھوڑے زمین سے لپٹ گئے آناً فاناً میں یہاں تھے یا وہاں تھے۔ ہنوز یہ موقع واردات پر نہ پہنچے تھے سلیم گڑھ کے نیچے پُل پر پہنچے تھے کہ دیکھا اُدھر سے بے تحاشا لوگ اور ملاح پل کے چپراسی بھاگے ہوئے چلے آتے ہیں۔ سوار۔ ہیں خیر تو ہے کیا آفت نے جو اس طرح سراسیمہ پریشان الحواس بھاگے آتے ہو۔ چپراسی۔ اجی جناب خیر تو بخیر فوج اُتر آئی۔ میر بحری صاحب کو مار ڈالا۔ بنگلہ کو آگ لگا دی۔ مال کا صندوق اور گولک لُوٹ لی۔ ہم لوگ اپنی جان بچا کر بھاگے ہیں۔ سواران پادشاہی نے یہ سُنتے ہی اُلٹی باگیں پھیر دیں۔ کوئی پانچ منٹ میں واپس آکر خبر دی کہ کوئی غنیم دلی پر چڑھ آیا ہے۔ اُس کی فوج نے تاخت و تاراج پر کمر باندھی ہے۔ بنگلہ پھونک دیا۔ میر بحری کو مار ڈالا۔[1]

---

[1] ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے آغاز سے بہت پہلے دہلی میں انقلاب کی پیش گوئیاں ہوتی رہتی تھیں۔ لیکن اس انقلاب کی تفصیل سے کوئی شخص آگاہ نہ تھا تاہم عام طور سے یہ خیال تھا کہ اس انقلاب کا نتیجہ انگریزوں کے حق میں بُرا ہوگا۔ کوئی کہتا تھا ایران ہندوستان پر حملہ کرے گا۔ ایک مرتبہ شور اٹھا کہ ایرانی ہلمند تک آ چکے ہیں۔ پھر یہ افواہ پھیلی کہ ایرانی فوج درۂ بولان کے راستے سے آ رہی ہے۔ کہا جاتا تھا کہ شاہ فارس پانچ لاکھ فوج اور سامانِ حرب تیار کر رہا تھا تاکہ ہندوستان کو فتح کرے اور کہ زار روس شاہ ایران کا ساتھ دے گا۔ ایک طرف شاہ نعمت اللہ دلی کی مشہور پیش گوئی کا چرچا تھا۔ (باقی آئندہ صفحہ)

بیشگاہ حضور پر نور سے امیر فتح علی اور حمید خاں کو حکم ہوا کہ اپنی جمعیت لیجاؤ پُل توڑ دو کشتیاں کھینچ لو۔ کہ فوج اترنے نہ پاوے۔ دروازہ شہر پناہ کے بند کرادو سواروں کو روانہ کرو کہ بڑی صاحب کو لے کر جلد حاضر ہوں اور تمام ملازمانِ شاہی از کہ تا مہ کو حکم حضوری دربار پہنچ جائے۔ کوتوال شہر کو حکم پہنچے کہ دروازہ شہر کا پورا پورا بندوبست رکھے۔ کلکتہ دروازہ پر بذاتِ خود حاضر ہے۔ قلعہ دار صاحب کو حکم پہنچا دو کہ دروازہ قلعہ کی پوری پوری حفاظت رکھیں۔ سمار کو رخصت نوکری والے جلد گھوڑے دوڑا کر شہر میں داخل ہو کر دروازہ راج گھاٹ معمور کرادیں۔

حسب الحکم تفاشیم فوراً تعمیلِ حکم ہو گئی۔ سوار جا بجا روانہ ہو گئے مگر یہاں سے جو جمعیت شکست پُل کے واسطے روانہ ہوئی تھی اُس کو حصولِ مطلب میں ناکامی حاصل ہوئی اور بے نیل مرام واپس آنا پڑا۔ ہنوز یہ سلیم گڑھ کے نیچے تھے کہ سامنے ملک الموت کی طرح سوار آتے دکھائی دیئے۔ یہ پُل تک نہ پہنچنے پائے اور وہ پُل کے ادھر اُتر آئے وہاں سے بہزار خرابیٔ اُفتاں و خیزاں گریزاں سوارانِ باغیہ کے آتے آتے انہوں نے جھروکہ کی ڈیوڑھی کا دروازہ لیا چھتہ میں داخل ہو کر دروازہ ڈیوڑھی معمور کر دیا اور دیوانِ خاص اور تسبیحخانہ میں حاضر ہو گئے مگر حضرت قدر قدرت ظل اللہ بادشاہ رعیت پناہ کمال جرأت و تہور کو فرما کے نہایت اوسان اور استقلال سے بجائے خود جس طرح

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۱) مارچ ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کو بھی شبہ ہوا کہ اہل قلعہ کا تعلق شاہ فارس سے ہے۔ انہیں ایام میں جامع مسجد دہلی کے دروازے پر ایک اشتہار چسپاں کیا گیا جس میں شاہِ فارس کے حملہ کی اطلاع دی گئی تھی۔ اشتہار دہندہ کا نام محمد صادق لکھا تھا اخبارات میں اس اشتہار کا بہت چرچا ہوا۔ آخر مئی ۱۸۵۷ء میں میرٹھ چھاؤنی میں بہت جوش پھیل گیا (نظیر)

بیٹھے تھے بیٹھے رہے ۔ ہرگز جنبش نہ کی ۔ اور محل کی مستورات اور سراجات عصمت میں ایک تہلکۂ عظیم برپا ہو گیا ۔ مگر حضرت بہ نفسِ نفیس سب کو کلماتِ صبر و تسکین فرما کے تشفی دیتے رہے ۔

اِدھر سواران باغیہ کشتیوں کے پُل پر سے اُتر کر سلیم گڑھ کے نیچے ہوتے ہوئے زیر جھروکہ پہنچے اور مردمان آئندہ و روندہ گریزاں ہو کر کلکتہ دروازہ میں داخل ہوئے دروازہ والوں کو اطلاع دی کہ دروازہ معمور کر دو ۔

اِدھر مگنہ ہو دروازہ پر خبر ہو گئی نہانے دھونے والے گرتے پڑتے بھاگ کر شہر میں داخل ہوئے ۔ وہ دروازہ بھی معمور ہو گیا ۔ اسی اثنا میں محبوب علی خاں خواجہ سرا مختار بادشاہی اور حکیم احسن اللہ خاں آکر حاضر ہوئے ۔ حضور انور نے محل میں یاد فرمایا کہ یکایک سواران نمک حرام بلائے آسمانی کی طرح نازل ہوئے اور زیر جھروکہ آکر پرا جما کر استادہ ہو گئے ۔ اور حسب قاعدہ سلامی ادا کی ۔ حضور لامع النور نے حکیم احسن اللہ خاں کو حکم دیا کہ ان لوگوں سے دریافت کرو کہ تم کون لوگ ہو اور کہاں سے آتے ہو ۔ اور کس کے نوکر ہو ۔ اور یہاں کیوں آئے ہو ۔

حکیم احسن اللہ خاں نے بموجب حکم تسبیح خانہ میں آکر سواران باغیہ سے استفسار حال کرنا شروع کیا ۔ چند افسر سواران گھوڑوں پر سے اتر کر ہٹری پر آکر کھڑے ہو گئے اور زیر جھروکہ سے ہاتھ جوڑ کر عرض کرنا شروع کیا ۔

باغی[۱] سواروں کا بیان

حضورِ جہاں پناہ سلامت آپ دین و دنیا کے بادشاہ ہیں حق تعالےٰ نے آپ کو بائیس صوبہ کا

[۱] یہ سوار ۱۱ر مئی ۱۸۵۷ء کو دہلی پہنچے تھے ۔ (نظیر)

مالک کیا ہے۔ تمام ہندوستان آپ کا محکوم و فرمانبردار ہے۔ ہندوستان کی رعیّت
آپ کی رعیّت شمار ہوتی ہے۔ آج تک ہندوستان میں جو منادی پھرتی ہے تو یہی بیان کیا
جاتا ہے خلقت خدا کی ملک بادشاہ کا حکم کمپنی کا۔ انگریز لوگ آپ کی طرف سے مالک و
مختار ہیں۔ ہم لوگ آپ کے پاس فریادی آئے ہیں۔ امیدوار انصاف ہیں۔ ہم لوگ ملازم
انگریزی ہیں ہمیں لوگوں نے اپنی جانیں بیچ کر اور سر کٹوا کر کلکتہ سے لگا کر کابل کے
ڈیرے تک فتح کر کے چودہ سو کوس میں عملداری انگریزی قائم کرا دی۔ اور ہمیں لوگوں
کی استعانت و امداد سے تمام ہندوستان پر تسلّط ہو گیا۔ یہ ولایت سے کوئی فوج
ہمراہ لے کر نہیں آئے تھے سب ہندوستانی فوج کی کارگزاری ہے۔ شہادت کے
واسطے ہمارے پاس تمغے موجود ہیں۔ اب چونکہ تمام ہندوستان پر قبضہ اور تسلّط انگریزوں
کا ہو گیا اور کوئی سرکش باقی نہ رہا۔ اب سرکار کی نیّت میں فتور رو واقع ہوا اور ہمارے
دین و مذہب کے درپے تخریب ہوئے اور چاہا کہ تمام ہندوستان کو عیسائی کر
لیں۔ اور ابتدا اس کی فرقہ فوج سے ہونی چاہیے۔ چنانچہ باہم صلاح کر کے یہ تجویز
قرار پائی کہ ایک قسم کی بندوق ایسی ایجاد کی گئی کہ جس میں ٹوٹا یعنی کارتوس دانتوں سے
کاٹ کر بندوق کے مُنہ میں دینا پڑے اور اس ٹوٹے کو جانوروں کی جھلی سے منڈھوایا
گیا۔ اب نہ معلوم وہ جھلّی دراصل کس کس جانور کی ہے۔ وہ بندوقیں ہم لوگوں کو دی
گئیں کہ تم کارتوسوں کو دانتوں سے کاٹ کر بندوقوں میں ڈالو ہم لوگوں نے بالاتفاق
ہندو اور فرقہ مسلمان نے تعمیل حکم سے انکار کیا کہ ہم ہرگز ہرگز ایسا امر نہ کریں گے خواہ
سرکار نوکر رکھے یا نہ رکھے فرقہ ہندو کو تو گائے کی جھلّی کا اشتباہ واقع ہوا اور اہلِ اسلام کو سور کی
جھلّی کا۔ ورائے ازیں ہندوؤں نے یہ عذر کیا کہ ہم لوگوں میں اکثر برہمن چھتری وغیرہ اعلیٰ قوم کے

لوگ ہیں وہ کسی جانور کے گوشت کو مُنہ نہیں لگاتے مسلمانوں نے بھی یہ عذر پیش کیا کہ ہم سوائے حلال جانور کے مُردار کو مُنہ نہیں لگاتے۔ خدا جانے یہ حلال جانوروں کا پوست ہے یا مُردار ہمارے مذہب میں ہرگز جائز نہیں۔ ہم ہرگز تعمیل حکم سرکار نہ کریں گے۔ اس پر سرکار کو یہ خیال ہوا کہ فوج نے عدولِ حکمی کی اگر ان پر تشدّد نہ کیا جائے گا تو ضعفِ حکومتِ سرکار متصور ہے سطوتِ شاہی میں فرق آتا ہے اور ہم لوگوں کو خیال دین و آئینِ دامنگیر ہوا۔ نزاع بڑھ گئی۔ مقدمہ طول کھینچ گیا۔ چار مہینہ سے یہ تنازعہ درپیش ہے۔ حکام میں کمیٹیاں ہو رہی ہیں اور ہم لوگوں میں بھی سوار پیادوں کی چھاونیوں میں جا بجا چھٹیاں دوڑ گئی ہیں کہ یک قلم کل فوج انکار کر جائے اور نوکری چھوڑ دے اور زیادہ تشدّد ہو تو ایک دن ایک تاریخ بالاتفاق تمام ہندوستان میں غدر مچا دو پھر دیکھو یہ کیا کر سکتے ہیں۔ چنانچہ مفسدہ کا ظہور اب آکر ہوا۔ اور تمام فوج یک قلم جادۂ اطاعت سے منحرف ہو گئی۔ اور بنا اس بغاوت کی اس طور پر واقع ہوئی کہ حکام کی کمیٹیوں میں یہ بات قرار پائی کہ پہلے بسم اللہ میرٹھ سے ہونی چاہیئے کہ یہ مقام صدر ہے اور بہت بڑا بھاری کمپو یہاں مقیم ہے اور پلٹنے بھروسہ کی فوج کی اسی جا پر چھاونی ہے۔ جب یہ کمپو ٹوٹا کاٹ لے گا تو کسی اور فوج کو مجال سرتابی کی نہ ہو گی۔ چنانچہ حسب صلاح بالا ایک روز اور ایک تاریخ مقرر کر کے پریٹ پر فوج گورے کی جمائی گئی اور سولجروں کا توپ خانہ اور رسالہ کھڑا کیا گیا۔ اور تیسرے رسالہ خاص ہندوستانی کو بلوا کر پریٹ پر استادہ کیا گیا اور افسران رسالہ کو بندوقیں اور کارتوس دے کر حکم سنایا گیا کہ تم اس ٹوٹے کو کاٹو۔ افسران نے معذرت کی کہ سرکار معاف فرمایئے۔ ہم دین سے بے دین کبھی نہ ہوں گے۔ خواہ سرکار ہم کو توپ سے اڑا دے۔ جب افسروں نے

انکار کیا تو پھر دوبارہ ان کو حکم سنایا گیا کہ تم کو ٹوٹا کاٹنا پڑے گا پھر بالاتفاق سب نے اسی طرح انکار کیا انجام کو سہ بارہ یہی حکم صادر ہوا۔ اس جانب سے وہی جواب صاف ملا۔ اس وقت حکم ہوا کہ ہتھیار دے دو۔ ہم لوگوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ پھر حکم ہوا۔ کہ گھوڑوں سے اتر پڑو ہم گھوڑوں سے اتر پڑے۔ پھر حکم ہوا کہ افسر لوگ فوج سے علیحدہ ہو جائیں۔ ہم چودہ اسی افسر جھٹ کر رسالہ سے الگ ہو کر کھڑے ہو گئے پھر حکم ہوا کہ ان کے ہاتھوں میں ہتکڑیاں ڈال دو۔ جب بھی عدول حکمی نہ کی۔ خوشی خوشی ہتکڑیاں پہن لیں۔ کچھ عذر نہ کیا پھر حکم ہوا تم لوگوں کو عدول حکمی کی سزا دی جاتی ہے۔ تم جیل خانے جاؤ۔ ہم سلام کر کے جیل خانہ کو چلے گئے۔

تدبیر سے تقدیر مٹائی نہیں جاتی
بگڑی ہوئی قسمت کی بنائی نہیں جاتی

۱؎ ۱۸۵۷ء کے غدر کی بڑی وجوہ یہ تھیں کہ لارڈ ڈلہوزی نے جو ۱۸۴۸ء سے ۱۸۵۶ء تک ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے مقبوضات کے گورنر جنرل رہے۔ بہت سی اصلاحات کیں وہ تمام دیسی ریاستوں اور دہلی کی مغل شہنشاہی کو ختم کرنا چاہتے تھے اگرچہ کمپنی نے انکی اس تجویز کو نہیں مانا تاہم ڈلہوزی کی الحاق کی پالیسی سے تمام والیان ریاست ناراض ہو گئے تھے انہیں یہ فکر ہو گیا تھا کہ ان کی ریاستیں جاتی رہیں گی فیصلہ کیا گیا کہ موجودہ مغل بادشاہ کی وفات کے بعد شاہی خاندان کو قلعہ سے نکال کر قطب میں آباد کیا جائے۔ جھانسی کی رانی کی کوئی اولاد نہ تھی۔ اس نے کسی کو متبنیٰ بنانے کی اجازت مانگی جو نہیں دی گئی۔ باجی راؤ کے متبنیٰ نانا صاحب کو پنشن دینے سے انکار کر دیا گیا۔ یہ ایسی باتیں تھیں جن میں والیان ریاست کو اپنا مستقبل تاریک نظر آ رہا تھا۔ اسی زمانے میں ایک فوجی قانون منظور کیا گیا جسکی رو سے فوج کو دنیا کے ہر حصے میں لڑائی کیلئے روانہ کیا جا سکتا تھا۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

میرٹھ چھاؤنی کا حال

بیک گردش چرخ نیلوفری ہنہ نادر بجاماند و نے نادری
جب ہم داخل جیلخانہ ہوئے تو کمپ میرٹھ میں ہلکہ
عظیم برپا ہو گیا اور گھر گھر کھچڑی پکنے لگی اور باہم صلاح و مشورہ ہونے لگے خصوصاً

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۶) ہندوؤں کے مذہب میں سمندر پار جانا گناہ تھا، اس لئے ہندو اس قانون کو مذہب میں مداخلت سمجھتے تھے سب سے بڑی بات یہ تھی کہ ہندوستانیوں کو بڑے عہدے نہیں دیئے جاتے تھے، حکومت میں اُن کا کوئی حصہ نہیں تھا۔ اس وجہ سے ملک میں انگریزوں کے خلاف عام نفرت پھیل رہی تھی اور یہ سمجھا جا رہا تھا کہ انگریز رعایا کو زبردستی اپنا غلام اور عیسائی بنا رہے ہیں چونکہ مغلوں کے عہد میں ہندوستانیوں کو اعلیٰ ترین عہدے دیئے جاتے تھے لوگوں کو مذہبی آزادی حاصل تھی ملک کی دولت ملک ہی میں رہتی تھی سمندر پار نہیں جاتی تھی مغل اس ملک کو اپنا ملک سمجھتے تھے اس لئے انگریزی حکومت کے مقابلے میں لوگوں نے مٹی ہوئی مغل سلطنت کو زندہ کرنے کا ارادہ کر لیا

غدر کی ابتدا مئی ۱۸۵۷ء میں میرٹھ میں ہوئی، جیسا کہ باغیوں نے اوپر بیان کیا ہے بعد ازاں بغاوت کی آگ دوسری چھاونیوں میں بھی پھیل گئی۔ اور جہاں جہاں موقع ملا باغیوں نے انگریز افسروں کو قتل کر دیا۔ کانپور اور لکھنؤ باغیوں کے مرکز تھے۔ لکھنؤ میں نواب واجد علی شاہ کے خاندان کے ایک شاہزادے کو باغیوں نے بادشاہ بنا دیا۔ ایک سال پیشتر انگریزوں نے نواب واجد علی شاہ سے اودھ کی حکومت لے کر انہیں مٹیا برج (کلکتہ) میں نظر بند کر دیا تھا) باجی راؤ سابق پیشوا کا متبنٰی نانا صاحب انگریزوں کا جانی دشمن تھا۔ اس نے باغیوں کی قیادت اختیار کی اس کے مقابلہ کے لئے جنرل ہیولک کو بھیجا گیا جس نے نانا صاحب کو شکست دی اور وہ روپوش ہو گیا۔

لکھنؤ میں سر کالن کیمبل نے باغیوں کو شکست دی۔ باغیوں کا اصلی مرکز دہلی تھا انگریزوں نے دہلی کا محاصرہ کرنے کے لئے کلکتہ بمبئی مدراس اور پنجاب سے فوجیں منگائیں۔ جنرل نکلسن نے دہلی میں

(باقی آگے)

فرقۂ مستورات میں ہمیشہ سے ناقص العقل کوتہ اندیش ہوتے آئے ہیں ان کو ہرگز اپنے
انجام پر نظر نہیں ہوتی۔ اُن میں اکثر عورتیں تھیں کہ جن کے ورثا محبوس ہوئے تھے۔
انہوں نے زبان طعن و تشنیع سے بچھا جھل جھل کر نائرہ فتنہ و فساد کو بھڑکانا شروع کیا
اور اُن کی چرب زبانی آتش فساد پر روغن کا کام کر گئی۔ اس محل پر دیوانہ را ہوئے
بس است کا مضمون صادق آیا۔ ان عورات نے مردوں کو طعنے دینے شروع کئے کہ
تم لوگ مرد ہو اور سپاہ گری کا دعویٰ کرتے ہو مگر نہایت بُزدلے اور بے عزت اور بے شرم
ہو تم سے تو ہم عورتیں اچھی ہیں تم کو شرم نہیں آتی کہ تمہارے سامنے تمہارے افسروں
کے ہتکڑیاں بیڑیاں پڑ گئیں۔ اور تم کھڑے کھڑے دیکھا کئے اور تم سے کچھ نہ ہو سکا۔ لو
یہ چوڑیاں تو تم پہن لو اور ہتیار ہم کو دو ہم افسران کو چھوڑا کر لاتی ہیں۔ ان کلمات فتنہ
انگیز نے اور اشتعال طبع پیدا کیا اور تمام فوج کے دلوں میں جوش و خروش مردی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۷) باغیوں کو شکست دی تاہم وہ خود اس لڑائی میں کام آیا۔ رانی جھانسی اور
تانتیا توپی نے بڑی بہادری سے انگریزی فوج کا مقابلہ کیا۔ رانی تو میدان جنگ میں لڑتی
ہوئی ماری گئی۔ تانتیا توپی کو گرفتار کر کے ۱۸۵۹ء میں پھانسی دے دی گئی۔

بمبئی اور مدراس کی فوجوں کا مقابلہ سیندھیا اور ہلکر کی مرہٹہ فوجوں سے ہوا جس میں
مرہٹوں کو شکست ہوئی۔ اور انگریزوں نے کئی قلعے فتح کر لئے مگر سیندھیا اور ہلکر نے
انگریزوں سے صلح کر لی۔

غدر کے ایام میں پنجاب میں امن رہا بلکہ پنجاب کی سکھ فوج کی امداد سے جنرل
نکلسن نے دہلی کو فتح کیا۔ اور ہزاروں بے گناہ ہندوؤں اور مسلمانوں کا خون
بہایا۔

اور مردانگی کی آگ بھڑک اُٹھی اور مرنے مارنے پر تیار ہو گئے۔ اور باہم یہ صلاح ٹھہرائی کہ شب کو چل کر جیل خانہ توڑ کر افسرانِ فوج کو چھوڑا لاؤ۔ چنانچہ ایسا ہی ظہور میں آیا۔ وقتِ شب افواج پیادہ وسوار متفق کمر بندی ہو گئی اور جیل خانہ پر چڑھ گئے اور جیلخانہ توڑ کر چوراسی افسر جو قید تھے ان کو قید سے نکال لائے اور ان کی ہتکڑیاں اور بیڑیاں سب کاٹ لیں اور اُن کے ہمراہ جو اور بدمعاش بدپیشہ چونٹے اٹھائی گیرے ڈاکو، خونی، ٹھگ وغیرہ وغیرہ جو جیل خانہ میں قید تھے سب کو رہا کر دیا۔ اور بیڑیاں سب کی کاٹ دیں۔ اب تمام شہر میں غدر مچ گیا اور ہنگامہ جدال وقتال گرم ہوا۔ سرکار کی جانب سے گوروں کی کمر بندی ہوئی اور رسولجروں کا توپ خانہ لاکر لگا دیا گیا۔ اب وہاں وہاں توپ کے فیر ہونے لگے اور ہماری طرف سے جواب میں بندوقوں کی بار جھڑنے لگی۔ تمام شب گوروں کی اور ہماری جنگ ہوتی رہی۔ صبح کو ہم لوگ دہلی کو روانہ ہوئے۔ شبانہ روز میں تیس کوس کی مسافت طے کر کے آج اس وقت ہم یہاں پہنچے ہیں۔ بادشاہ سلامت ہمارے سر پہ ہاتھ رکھیں۔ اور ہمارا انصاف فرماویں۔ ہم دین پر تُجگڑ کر آئے ہیں۔

بادشاہ کا جواب سنو بھائی مجھے بادشاہ کون کہتا ہے میں تو فقیر ہوں ایک تکیہ بنائے ہوئے اپنی اولاد کو لئے بیٹھا ہوں۔ بادشاہت تو بادشاہوں کے ہمراہ گئی۔ میرے باپ دادا بادشاہ تھے جن کے قبضہ میں ہندوستان تھا۔ سلطنت تو سو برس پہلے میرے گھر سے جا چکی تھی۔ میرے جد و آبا کے نوکر چاکر اپنے خاوندانِ نعمت کی اطاعت سے جداگانہ رئیس بن بیٹھے۔ میرے باپ دادا کے قبضہ سے ملک نکل گیا۔ قوتِ لایموت کو محتاج ہو گئے۔ خصوصاً میرے جدِ بزرگوار

حضرت شاہِ عالم بادشاہِ غازی کو جب غلام قادر نمک حرام نے قید کر کے نابینا کیا
ہے تو پہلے مرہٹوں کو طلب کیا گیا تھا اور انہوں نے اس نمک حرام کو کیفرِ کردار
کو پہنچایا۔ حضرت بادشاہ کو قید سے چھڑایا۔ چند سال مرہٹے بادشاہ کی جانب سے
مختار رہے۔ مگر بادشاہ کے صرف مطبخ کا بندوبست بھی نہ کر سکے۔ لاچار ہو کر میرے دادا
نے منجانب سلطنتِ برطانیہ رجوع کی اور انگریزوں کو بلوا کر اپنے گھر کا مختار فرمایا۔ اور
ملک ہندوستان اُن کے تفویض کیا اور ان لوگوں نے حسبِ دل خواہ اخراجاتِ شاہی کا
بندوبست کر دیا اور ملک میں امن و امان کا ڈنکا بجا دیا۔ اُس روز سے آج تک ہم لوگ
بہ عیش و عشرتِ تمام بسر کرتے چلے آتے ہیں ہمیں کسی طرح کا فکر و اندیشہ دامنگیر
نہیں اور بکمالِ خوشحالی و فارغ البالی و عیش و عشرت سے بسر اوقات کرتے ہیں
لڑائی جھگڑے سے کچھ کام نہیں اُس کا انسداد اور انتظام انگریز لوگ خود کر لیتے ہیں
میں تو اک گوشہ نشین آدمی ہوں مجھے ستانے کیوں آئے میرے پاس خزانہ نہیں کہ میں تم کو تنخواہ
دوں گا میرے پاس فوج نہیں کہ میں تمہاری امداد کرونگا میرے پاس ملک نہیں کہ تحصیل
کر کے تمہیں نوکر رکھوں گا۔ میں کچھ نہیں کر سکتا ہوں۔ مجھ سے کسی طرح سے توقع
استعانت کی نہ رکھو۔ تم جانو یہ لوگ جانیں۔ ہاں ایک امر میرے اختیار میں ہے البتہ وہ
ممکن ہے کہ میں تمہارے درمیان میں ہو کر انگریزوں سے تمہاری صفائی کرا سکتا ہوں
تم ابھی یہیں ٹھہرے رہو میں نے صاحب رزیڈنٹ کو بلوایا ہے۔ وہ میرے پاس آنے والے
ہیں پہلے میں اُن سے دریافت کر لوں اُن کی زبانی مجھے حالِ فتنہ و فساد معلوم
ہو جائے گا۔ اور خدا چاہے تو میں اس فساد کو رفع دفع کرا دوں گا۔ غرض
کہ یہ گفتگو ہنوز ناتمام تھی کہ فریزر صاحب ریزیڈنٹ بہمراہی قلعدار صاحب داخل

دیوانِ خاص ہو گئے۔ خواجہ سرا جا کر آداب کورنش بجا لایا اندر سے حکم آیا کہ دونو صاحب محل میں حاضر ہوں اُس وقت صاحب ریذیڈنٹ بہادر قلعدار صاحب اور احسن اللہ خاں اور محبوب علی خاں ہر چہار اشخاص محل شاہی میں داخل ہوئے۔

ریذیڈنٹ کی باریابی

حضور پُرنور۔ کیوں بھئی۔ یہ کیا فتنہ و فساد برپا ہو گیا۔ یہ مذہب کا جھگڑا کیسا اُٹھ کھڑا ہوا۔ یہ مقدمہ دینِ آئین کا ہے تعصّب مذہبی بہت بُری شے ہے۔ اس میں اکثر سلطنتیں معرضِ زوال میں آ گئی ہیں۔ لاکھوں آدمیوں کا کُشت و خون ہو گیا ہے۔ اس فتنہ کا جلد انسداد ہونا واجب ہے۔ سرِ چشمہ شاید گرفتن بہ بیل چو پُر شد نشاید گُذشتن بہ پیل مبادا فتنہ و فساد ہندوستان میں عالمگیر ہو جائے اور لاکھوں آدمیوں کا کُشت و خون ظہور میں آئے اور انتظامِ مالی و ملکی میں فرق واقع ہو۔ بنا بنایا کام بگڑ جائے جہاں تک ممکن ہو نرمی اور آشتی سے کام نکالا چاہیئے۔ یہ لوگ جاہل ہیں۔ فرقۂ سپاہ جاہل ہوتا ہے۔ ان سے تھپک کر کام نکالنا چاہیئے اور ان کو ہدایت کرو کہ یہ لوگ اس فتنہ و فساد سے باز آئیں۔ جائے تعجب ہے کہ تم کو اس معاملہ کی اب تک خبر نہیں۔

صاحب رزیڈنٹ بہادر۔ حضور غلام کے پاس شب کے گیارہ بجے سوار نے چٹھی لا کر دی مجھ کو چونکہ اُس وقت نیند کا غلبہ تھا میں سمجھا کوئی معمولی چٹھی ہے اُس وقت کچھ خیال نہ کیا۔ پاکٹ میں ڈال کر سو رہا صبح کہ جب حضوری سوار میرے پاس پہنچے اُس وقت میں نے چٹھی پڑھی تو حال معلوم ہوا حضور کچھ اندیشہ نہ فرمائیں خاطر جمع رکھیں۔ بلوائی لوگ ہے کیا کر سکتا ہے حضور کے اقبال سے سب رفع دفع

ہو جائیں گے۔ غلام باہر جاکر ابھی اُن کو فہمائش کرتا ہے۔ خدا چاہے تو فساد بڑھنے نہ پائے گا۔ یہ عرض کر کے صاحب رزیڈنٹ بہادر محل سے برآمد ہوئے تسبیح خانہ کے صحن میں کٹہرے کے برابر کھڑے ہوئے حاضرین دربارِ شاہی سب برابر صف باندھے ہوئے کھڑے ہیں۔ دربار کی جانب سب کا رُخ ہے۔ حکیم احسن اللہ خاں بہادر کے لڑکے استادِ قلعہ دار صاحب بھی موجود ہیں۔

ریذیڈنٹ باغیوں کے سامنے

صاحب رزیڈنٹ بہادر:۔ کیوں بابا لوگ یہ کیا فتنہ و فساد تم نے برپا کر دیا۔ ہم لوگوں نے تم لوگوں کو رومال سے پونچھ کر تیار کیا ہے۔ ہم کو یہ دعوے تھا کہ اگر روس ہندوستان کی طرف پاؤں بڑھائے گا۔ تو ہم سرحد پر اُس کا سر توڑیں گے اور اگر ایران پیش قدمی کرنے کا ارادہ کرے گا۔ تو ہم اُس کو وہیں پسپا کر دینگے۔ اگر کوئی سلطنت ہندوستان کی طرف رُخ کرے گی تو اُس کو دنداں شکن جواب دیں گے یہ خبر نہ تھی کہ ہماری فوج ہمارے ہی مقابلہ کو تیار ہو گی۔ کیوں بابا لوگ شرطِ نمک خواہی یہی تھی کہ آج تم ہمارے مقابلہ کو تیار ہوئے ہو۔ ہم نے تم کو اسی واسطے کروڑ ہا روپیہ صرف کر کے تیار کیا تھا۔

سواران فوج باغیہ غریب پرور حضور سچ فرماتے ہیں اس میں کوئی شک نہیں سرکار نے ہم لوگوں کو اسی طرح پالا اور پرورش کیا ہے سرکار کے حقوق نمک ہم نہیں بھولینگے مگر ہم لوگوں نے آج تک سرکار کی کوئی نمک حرامی نہیں کی۔ جہاں سرکار نے ہم کو جھونک دیا ہم آنکھیں بند کر کے آگ میں پانی میں کود پڑے کچھ خوف جوکھوں کا نہ کیا سر کٹوانے میں کہیں دریغ نہیں کیا۔ کابل پر ہمیں لوگ گئے۔ لاہور ہمیں لوگوں نے

فتح کیا۔ کلکتہ سے کابل تک ہمیں لڑے بھڑے سر کٹوائے جانیں دیں۔ اور حق نمک ادا کیا۔ اب جبکہ تمام ہندوستان پر سرکار کا قبضہ ہوگیا تو سرکار ہمارے دین آئین کے درپے ہوئی ہمیں کرسٹان بنانا چاہا۔ ہم سے ٹوٹا کٹوانے کو کہا تو ہم لوگ اپنے دین آبائی کو چھوڑ کر کس طرح بیدین ہو جائیں ہم کو مر جانا قبول ہے مگر دین سے بے دین نہ ہوں گے۔ اب سرکار جو چاہے ہمارا کرے۔ ہم سب مرنے پر تیار ہیں اور ہم اپنے کو اُس وقت تک مردہ تصور کر چکے ہیں کہ جس وقت جیل خانہ توڑ کر افسروں کو برآمد کیا۔

صاحب رزیڈنٹ بہادر۔ سنو سنو بابا لوگ تم اس خیال کو جانے دو اور ہمیں مارنے سے باز آؤ اب تم کو کوئی نہیں مارے گا۔ ہم بیچ میں پڑے ہیں اور ضامن ہوتے ہیں اور خدا کو گواہ کرتے ہیں اور خدا کی قسم کھاتے ہیں کہ ہم تم سے وغا نہ کریں گے اور تمہارے حق میں انصاف کریں گے اور اُن لوگوں کو سزا دلوائیں گے۔ جنہوں نے یہ فتنہ برپا کرایا ہے اور وہ لوگ سزایاب ہوں گے اور سب کے سب ٹھیک کئے جائیں گے۔ اب تم مار کٹائی ترک کرو اور لوٹ مار سے باز آؤ۔ اور بادشاہ سلامت کا بھی یہی حکم ہے کہ تم لوگ دین پر پھرے ہو۔ ہم تمہارے دین کا بندوبست کرا دیتے ہیں تم کُشت و خون سے باز آؤ اور بادشاہ صاحب خود درمیان میں پڑے ہیں (فوج باغیہ) غریب پرور ہم کو سرکار کے قول کا بھروسہ نہیں معلوم ہوتا۔ سرکار نے اکثر جا بجا دھوکہ دے کر ملک گیری کی ہے۔ آج تو ہم سرکار کی اطاعت قبول کریں۔ کل سرکار ہم کو پکڑ کر پھانسی پر کھینچ دے۔ ایسی حالت میں ہم کو بھنگی کے ہاتھ سے پھانسی کھانے سے تلوار کے منہ سے مرنا اچھا معلوم ہوتا ہے۔

صاحب ریذیڈنٹ بہادر نہیں نہیں تم لوگ ایسا ہرگز خیال نہ کرو ہم انجیل پر ہاتھ دھر کے کہتا ہے کہ ہم تم سے ہرگز ہرگز دغا نہ کرینگے اور بادشاہ صاحب کا بھی فرمانا یہی ہے۔ اس میں اکثر جو سمجھدار تھے۔ انہوں نے کہا ہاں صاحب بہادر سچ تو فرماتے ہیں جس طرح صاحب بہادر فرمائیں قبول کرنا چاہیئے۔ مگر بعض جہال نافہم جن کے سر پر ظالم کا بھوت سوار تھا اور موت دامنگیر تھی وہ بولے کہ انگریز لوگوں کے قول و قسم کا اعتبار نہیں۔ یہ لوگ قول دے کر پھر جاتے ہیں۔ یہ لوگ عیسائی ہیں۔ ان میں باہم تکرار ہونے لگی۔ آدھے تو یہ کہتے تھے میاں صاحب کا کہنا مان لو۔ آخر یہ بھی حاکم وقت ہیں، دلی کے مالک ہیں یہ کبھی ہم سے فریب نہ کرینگے اور آدھے اس بات پر اڑے ہوئے تھے کہ ہم ہرگز ہرگز نہیں مانیں گے۔ آخر ایک نالائق سپاہی بولا کہ لو ہم فیصلہ ہی کئے دیتے ہیں۔ جھٹ بندوق چھتیا کر صاحب رزیڈنٹ بہادر پر فیر کرہی دیا مگر اُس وقت قضا نہ تھی۔ وہ بندوق کی گولی صاحب بہادر اور حکیم احسن اللہ خاں کے برابر میں سے نکل کر تسبیح خانہ کے ستون پر جا کر لگی اور سنگ مرمر کا ٹکڑا ٹوٹ کر گر پڑا وہ ستون آج تک ٹوٹا ہوا موجود ہے۔ حکیم احسن اللہ خاں نے صاحب بہادر کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پیچھے کر لیا اور کہا یہ لوگ ہرگز نہ مانیں گے جو حقِ فہمائش تھا وہ ہو لیا اب اور تجویز کرنی چاہیئے۔

صاحب ریذیڈنٹ بہادر نے پھر محل میں جانے کی اجازت طلب کی اور محل میں جا کر بادشاہ سے عرض کی کہ جو حق سمجھانے کا تھا سمجھا لیا گیا۔ مگر یہ لوگ نہیں مانتے ہیں۔ ان لوگوں کے سر پر قضا سوار ہے ابھی جا کر ان کا بندوبست کرتا ہوں ابھی اُن کو اڑا دیا جائے گا ان کے انفصال کو نمبیان کوتوالی کی پلٹنیں کافی ہیں۔

اٹھارہ سو نجیب سے بہت ہے ۔

بادشاہ سلامت - اچھا جو میرے آدمی موجود ہیں اپنی حفاظت کو ہمراہ لیجاؤ ۔

صاحب رزیڈنٹ بہادر مسکرا کر - دربار کی سو بھا کے آدمی ہیں ڈیوڑھی کی حفاظت کو رہنے دیجئے ۔ حضور کا اقبال کافی ہے ۔ حضور خاطر جمع رکھیں ۔ حضور پراگندہ خاطر نہ ہوں بندوبست ہوا جاتا ہے ۔

ریذیڈنٹ کی واپسی

صاحب ریذیڈنٹ بہادر محل سے برآمد ہوئے ۔ قلعدار صاحب اور صاحب بہادر لال پردہ کے دروازہ سے نکل کر بخشی گری کے چوک میں ہوتے ہوئے جالی کے دروازہ میں آئے اور دیوانِ عام کا چوک طے کر کے نقار خانہ کے باہر آکر بگھی پر سوار ہوئے قلعدار صاحب ہمراہ میں یہ دونو صاحب بگھی پر سوار ہیں اور نقار خانہ کے آگے کا چوک طے کر کے قلعہ کے چھتہ سے گزر کر قلعہ کے دروازہ سے باہر ہوئے اور کھوکس میں بگھی کو روک کر دروازہ کی کمپنی کو کمر بندی کا حکم دیا اور کہا کہ تم کھوکس کی دیوار پر بندوقیں بھر کر تیار رہو اور جو باغی لوگ دروازہ پر آئیں ۔ اُن کو اُڑا دو اور کارتوس توشدان میں بھر دو ہم کلکتہ دروازہ کے بندوبست کو جاتے ہیں ۔ خبردار رہو دروازہ کھوکس کا بند رکھو ۔ کھڑکی کھلی رہنے دو ۔ یہ کہہ کر دونو صاحب بگھی پر سوار کھوکس کے دروازہ سے باہر آئے کلکتہ دروازہ پر پہنچے وہاں جا کر دیکھا کہ دروازہ معمور ہے کوتوال شہر اور تھانیدار اور جمعدار و سپاہی سب مستعد ہیں ۔ شہر پناہ کے ڈنڈے پر کلکتہ دروازہ سے موت دروازہ تک نجیب لین جمائے کھڑے ہیں ناکوں پر بھی موجود ہیں تکہ موت دروازہ اور کلکتہ دروازہ کے مابین جو ایک برج چھوٹا سا شہر پناہ کا ہے اُس پر ایک توپ

چڑھی ہوئی ہے اور اُس کا رُخ پل کی طرف کے روزن میں سے پل کی طرف ہے اب احتمال یہ ہے کہ آخر فوجِ باغیہ جو دریائے جمن سے عبور کرکے آئے گی تو اسی دروازہ سے آئے گی۔ اس انتظار میں ساری فوج نجیبان کی جمی کھڑی ہے یہاں تو انتظام ہو رہا ہے۔ سب کیل کانٹے سے درست ہیں۔ جنگ کا سامان ہے برگشتگی تقدیر کی کسی کو خبر نہیں ہے

کہن چرخِ مشعبد حُقّہ بازاست — پئے آزارِ مردم حیلہ سازاست

پانچ سوار صاحب رزیڈنٹ بہادر تو اِدھر رخصت ہوکر آئے چرخ شعبدہ باز نے اُدھر تازہ بازی آغاز کی۔ سوارانِ باغیہ واپس ہوکر کلکتہ دروازہ کی طرف تو گئے نہیں اُنہوں نے راج گھاٹ دروازہ کی طرف رُخ کیا اور راجگھاٹ دروازہ پر پہنچے اینجا روایاتِ مختلفہ گوش گزارِ راقم ہوئی ہیں۔ بعض کا بیان ہے کہ دروازہ بند تھا اور نجیب دروازہ پر موجود تھے۔ جمنا کے اشنان کرنے والے بہت سے منتظر تھے کہ دروازہ باز ہو تو ہم جاکر اشنان کریں مگر دروازہ بند تھا پانصد کے قریب آدمی جمع ہو گئے تھے۔ دروازہ والوں سے بحث کر رہے تھے کہ دروازہ کھول دو تو ہم جاکر اشنان سے فارغ ہوں تو روٹی ٹکڑا کریں۔ دروازہ والے انکار کرتے تھے۔ کہ ہرگز دروازہ بے حکم سرکار نہیں کھلتا ہے آخر نوبت زد و کوب کی پہنچی اور لوگوں نے بلوا کرکے پتھروں سے قفل دروازہ توڑ کر دروازہ کھول دیا۔ یا یہ کہ دروازہ دراصل پہلے سے کھلا ہوا تھا مگر یہ بھی قرینِ قیاس نہیں دروازے شہر کے سب معمور ہو چکے ہیں اور جب کلکتہ دروازہ پر تو اتنا بندوبست ہے تو اور دروازے کیسے کھلے رہ سکتے ہیں۔

غرضنکہ اس روایت کی تحقیق پوری طور پر راقم کو نہیں کہ دروازہ کیونکر کھلا۔

قصہ مختصر سواران باغیہ راجگھاٹ کے دروازہ سے شہر میں داخل ہوئے اور دروازے کی سڑک جو کھاری چوکی دریا گنج کی چوڑائی میں سنہری مسجد کے سامنے جاکر تمام ہوتی ہے۔ وہاں سنہری مسجد کے نیچے چوراہہ ہے ایک سڑک تو لال قلعہ کے نیچے ہوتی ہوئی لال ڈگی کو جاتی ہے اور ایک راستہ خاص بازار کو جاتا ہے اور یہیں سے قلعہ کے نیچے کا میدان شروع ہے اور جنوب کی جانب میں دو سڑکیں برابر دلی دروازہ کو جاتی ہیں۔ نہر مائل سے اور ایک سڑک گوشہ جنوب اور مشرق میں دریا گنج کو جاتی ہے۔ اس میں اول ہی سڑک کے سرے پر پادری صاحب کا بنگلہ ہے۔ یہ پادری صاحب اوّل تو ہندو تھے پھر عیسائی ہو گئے تھے اوّل انہیں پر چوٹ ہوئی۔ پہلی بسم اللہ کشت و خون کی یہیں سے شروع ہوئی ہے۔

سواران باغیہ بنگلے کی قطع دیکھ کر بنگلہ کی غلام گردش میں آکر کھڑے ہوئے

سواران باغیہ۔ تم کون۔

پادری صاحب۔ پادری۔ سواران باغیہ مسلمان یا ہندو۔

پادری عیسائی۔ یہ سنتے ہی ایک سوار نے پستول کا گھوڑا دبایا ادھر طپنچہ کی آواز ہوئی اور ادھر مرغ روح نے آسمان کو پرواز کی۔ پادری صاحب تو غلام گردش میں دراز ہوئے اور دست غارتگری فراز۔ سواران بنگلہ کو آگ لگا کر آگے روانہ ہوئے۔

لال ڈگی کے سرے پر پہنچے اور ہسپتال میں داخل ہو کر ڈاکٹر صاحب کی مزاج پرسی کی۔ چمن لال ڈاکٹر ذات کے کالیتھ تھے تھوڑے عرصہ سے وہ اور ماسٹر

رام چندر دونوں عیسائی ہو گئے تھے۔ اُس وقت شفا خانہ میں سوار جا کر کیرین
کی طرح چھاتی پر سوار ہو گئے اور سوال کیا کیا دین رکھتے ہو ڈاکٹر صاحب نے
کہا عیسیٰ مسیح کا۔ فرقہ باغیہ نے اُن کو بھی ایک ضرب طپنچہ میں پادری صاحب کے
پاس پہنچا دیا۔ شفا خانہ توڑ پھوڑ کر سب برابر کیا۔ ان دونوں شخصوں کے مارے جانے
کی خبر تمام شہر میں پھیل گئی اور تمام بد پیشہ بدمعاش چوٹے اٹھائی گیرے کرکی بدماڑی
بازمال مردم خود جو ایسے مواقعات کے منتظر رہتے تھے گھروں سے نکل نکل کر
آن موجود ہوئے اور ایک جمِ غفیر اور اژدحامِ کثیر فرقہ باغیہ میں شامل ہو گیا۔ اب ایک
سوار ہے پچاس بد پیشہ اُس کی اردلی میں دوڑے جاتے ہیں سوار کسی پر دست
درازی کرتے ہیں بدمعاش لوٹ کھسوٹ کرنے لگتے اور سامان توڑ پھوڑ کر برابر کر دیتے
ہیں۔ جو شے آتی ہے اُسے لے بھاگتے ہیں۔ رفتہ رفتہ یہ نوبت پہنچی کہ سوارانِ باغیہ
قلعہ کے لاہوری دروازہ تک جا پہنچے۔ کوئی ان کا سدِ راہ نہ ہوا۔ وہاں پہنچ کر فرقہ
باغیہ نے دریافت کیا کہ انگریز لوگ کہاں ہیں کسی نے کہہ دیا کہ انگریز لوگ اور تمام
تھانہ دار کوتوال نجیباں وغیرہ سب کلکتہ دروازہ پر جمع ہیں۔ یہ سنتے ہی سوارانِ باغیہ
میں سے پانچ سواروں نے کلکتہ دروازہ کی جانب گھوڑوں کی باگیں اٹھا دیں اور
سرپٹ گھوڑے بگٹٹ وہاں سے روانہ ہوئے۔ باقی سوار تمام زیرِ دیوار قلعہ لبِ خندق
لال ڈگی کی سڑک پر کھڑے رہے۔ یہ پانچ سوار جو آندھی بگولے کی طرح سے گڑبڑ
گڑبڑ کرتے ہوئے بلا تحاشا قریبِ کلکتہ دروازہ پہنچے اور ان کے گھوڑوں کے
ٹاپوں کی آواز محافظانِ دروازہ جو بالائے دیوار شہرِ پناہ روزنوں میں بندوقیں نکالے
ہوئے سواروں کے انتظار میں کھڑے ہوئے پل کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اُن کے

کان ہیں نہ پہنچی ۔ اور پُشت پھیر کر جو سواروں کو آتے ہوئے دیکھا یکبارگی سب کے
اوسان خطا ہو گئے اور کسی کے مُنہ سے یہ نکلا کہ اے وہ تو یہ آ گئے ۔ پس کہنا غضب
ہو گیا ڈنڈی پہ اور ڈنڈی کے نیچے جتنے انگریز اور کوتوال اور تھانہ دار بجیب کھڑے
ہوئے تھے سب کے پاؤں اُٹھ گئے ۔ اُس وقت ایسا ہیز اور نامردی طبیعتوں
پر مستولی ہوئی کسی کی جرأت اور ہمّت نہ پڑی کہ ان پانچ سواروں پر حملہ کرے ۔ اور
ان پانچ سواروں کا رُعب ایسا غالب ہوا کہ ڈنڈے پر سے کُود کُود کر سب [illegible]
مود دروازہ کی جانب فرار ہو گئے اُس وقت اگر یہ لوگ مُٹھی مٹھی بھر خاک ڈال دیتے
تو وہ دب کر رہ جاتے مگر استغفر اللہ کس کی جرأت تھی کہ اُن کے مقابل ہوتا ۔ جیسے
بکریوں میں شیر آن پڑا بھاگنے کے سوا کوئی چارہ نہ سوجھا ۔ اب میدان صاف ہو گیا ۔ رہ
گئے بے چارے ریزیڈنٹ بہادر اور قلعدار صاحب ان کے سوا چڑیا تک کا نام و
نشان نہ پایا ۔

اُن پانچوں سواروں نے صاحب رزیڈنٹ بہادر کی بگھی کو آگھیرا مگر واہ ری
جرأت و ہمّت صاحبِ ممدوح کی کہ اُس وقت بیکسی میں ذرا انتشارِ طبیعت اور
اضمحلالِ خاطر کو دل میں نہ آنے دیا اور بہ استقلال تمام بگھی کے گھوڑے کی باگ قلعہ
کے درد ازہ کی جانب پھیر دی اور چابک مار کر گھوڑے کو تیز کر دیا اور سوار بھی ساتھ
کے ساتھ ہی شمشیر برہنہ کئے ہوئے بارادۂ قتل چلے آتے تھے کہ ایک سوار نے
گھوڑا بڑھا کر چاہا کہ تلوار کا وار کرے صاحب ریزیڈنٹ نے جیبی طپنچہ نکال کر
اُس پر سر کیا اور طپنچہ کی گولی سوار کے سینہ پر کارگر ہو گئی اور اس کا کام تمام کیا ۔ باقی چار
سواروں نے کہا کہ اب تو تم نے ہمارا ایک سوار بھی گرا دیا ۔ اب ہم تم کو ہرگز جیتا

نہ چھوڑیں گے۔ غرض کہ جوں توں کر کے دروازہ قلعہ تک پہنچے اور بگھی میں سے جلدی جلدی کود کر کھڑکی کی راہ سے دروازہ قلعہ میں داخل ہوئے اور کھڑکی پر بھی قفل ڈلوا دیا اور کپتان کو حکم دیا کہ ہاں کیا دیکھتے ہو ان باغیوں پر فیر کیوں نہیں کرتے یہ کہہ کر دونوں صاحب قلعہ کے چھتے میں داخل ہوئے اور چھتے سے گزر کر زینے پر چڑھتے تھے قلعہ دار صاحب تو دروازہ پر جہاں اُن کی سکونت کا مکان تھا جا پہنچے اور بڑے صاحب چونکہ جسیم تھے ہنوز راہ میں ہیں۔

سواران باغیاں نے نگہبانانِ دروازہ سے آ کر کہا کہ تم لوگ دین کے ساتھی ہو کہ ان کے؟ نگہبانِ دروازہ؟ دین کے۔ سواران۔ تو دروازہ کیوں بند کر رکھا ہے؟ سپاہیان دروازہ نے فوراً چوپٹ دروازہ کھول دیا۔

سواران۔ صاحب کہاں گئے۔ نگہبان دروازہ۔ بالائے دروازہ۔

سواران باغیہ فی الفور گھوڑوں پر سے کود کود کر گھوڑوں کو تو سپاہیانِ دروازہ کے حوالہ کیا اور چھتہ میں روانہ ہوئے اور زینہ کی راہ میں بڑے صاحب بہادر کو جا لیا۔

ریذیڈنٹ کا قتل

افسوس صد افسوس کہ باغیانِ کو رنمک نے کچھ حقِ نمک پر خیال نہ کیا اور اُس حاکم ذوی الاقتدار نصفت شعار کے ساتھ گستاخی سے پیش آئے اور بضربات شمشیر اُن کا کام تمام کیا اور اوپر دروازہ کے بنگلہ پر جا کر قلعدار صاحب اور قلعدار کی بیوی اور اُن کے بچوں کو مارے تلواروں کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ڈال دیا۔

دنیا الحق مقامِ عبرت ہے اس لئے اہل اللہ جن کو خداوندِ عالم الغیب نے

سوار کا اژدحام ہوگا۔ وہ بھی رسد طلب کرتے ہوئے آئے۔ اُن کو بھی یہی کہہ کر ٹالا اور بچاس جان کھانے کو موجود ہوئے۔ غرضکہ اڑھائی سو تین سو کے قریب سوار مہتاب باغ میں جمع ہو گئے۔ اب جو آتا ہے وہ مہتاب باغ میں اُتر جاتا ہے۔ اس اثنا میں قریب گیارہ بجے کے دن چڑھ گیا ہے کسی قدر پیدل بھی آتے جاتے ہیں تین چار سو پیدل بھی داخلِ شہر ہو گئے ہیں اور شہر میں غدر مچ رہا ہے۔ شہر کو بدمعاشانِ شہر لوٹ رہے ہیں گو بہت سے سوار گھوڑے باندھ کر دیوانِ خاص میں محبوب علیخاں اور احسن اللہ خاں کے پاس آئے اور کہا کہ رسد اور ہمارے کھانے پینے کا بندوبست کرو۔

ملازمانِ شاہی۔ ہم کیا بندوبست کریں جن لوگوں سے شہر کا بندوبست تھا۔ اُن کو تم نے مار ڈالا۔ شہر میں غدر مچا دیا۔ شہر لُٹ رہا ہے۔ دوکانیں بند ہیں اب کھانے پینے کا کیا بندوبست ہو۔ جہاں سے ممکن ہے کھاؤ پیو اور تمہارے سبب سے ہمارا کھانا پینا بھی بند ہوا۔

سوارانِ باغیہ۔ بادشاہ سلامت سے عرض کرو بازار کھلوائیں۔ جو چیز دست ہاتھ آئے۔ کھانے پینے کا سرانجام ہو۔

ملازمانِ شاہی۔ دوکانیں تو تم نے پہلے ہی لوٹ لیں اب اُن میں کیا دھرا ہے جو کھلواتے ہو اور دوکاندار کس موقعہ پر دوکانیں کھولیں۔ شہر میں لوٹ مار موقوف ہوا اور امن چین ہو تو دوکانیں کھلیں۔

سوارانِ باغیہ۔ ہم لوٹ مار کا بندوبست کرتے ہیں۔ اب ہم کسی کو دست درازی نہیں ہونے دیں گے جا بجا پہرے سپاہیوں کے بٹھائیں گے۔ بادشاہ سلامت کی